© rasailojaraid.com

نزول قرآن نجماً نجماً کیوں؟
(قسط ۱)

ڈاکٹر محمود احمد غازی

اتنی بات تو قرآن مجید کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ یہ کتاب دنیا کی دوسری تمام مذہبی کتابوں سے کئی اعتبار سے مختلف ہے اس کا اسلوب، انداز بیاں اور طرز استدلال اتنا منفرد ہے کہ دوسری تمام مذہبی کتابوں کے متن اور عبارت سے قرآن مجید کا متن اور عبارت واضح طور پر مختلف نظر آتے ہیں۔ان امتیازی اوصاف میں ایک اہم وصف قرآن پاک کا انداز نزول ہے۔انداز نزول کے اعتبار سے قرآن مجید اور دوسری آسمانی کتابوں میں دو اعتبار سے بڑا فرق پایا جاتا ہے یہ فرق بڑی بنیادی اہمیت کا حامل ہے اتنی بنیادی اہمیت کے اس فرق کی وجہ سے قرآن مجید کو دوسری تمام آسمانی کتابوں پر ایک نمایاں فضیلت اور برتری حاصل ہے۔

قرآن مجید سے پتا چلتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیؑ پر توریت نازل فرمانے کا ارادہ کیا تو ان کو ایک ماہ کے اعتکاف کے لئے طور سینا پر بلایا اور پھر اس میں دس دن کی توسیع خود فرمائی اور چالیس دن کے اعتکاف کے بعد ان کو پوری کی پوری توریت تختیوں کی شکل میں لکھی ہوئی دے دی حضرت موسیؑ ان تختیوں کو لے کر آگئے اور اپنی قوم کے سامنے پیش کر دیا کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ تختیاں سونے کی تھیں کچھ کا خیال ہے کہ وہ پتھر کی تھیں بہر حال ہمارے موضوع کے لحاظ سے یہ ایک غیر متعلق بات ہے۔یہ تختیاں یعنی الواح جس چیز پر بھی لکھی ہوئی تھیں حضرت موسیؑ کو دے دی گئیں اور انہوں نے وہ تختیاں لا کر اپنی قوم کو دے دیں اس طرح قوم موسیؑ نے توریت کے پیغام کو حاصل کر لیا اور اس کو پڑھنے، پڑھانے پر لگ گئے وہ تختیاں طویل عرصہ تک نسلاً بعد نسل بنی اسرائیل میں چلتی رہیں بنی اسرائیل کی تاریخ میں بہت سے نشیب و فراز آتے رہے ایک مرحلہ ایسا آیا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہودیوں کو زبردست تباہی اور بربادی کا سامنا کرنا پڑا ان کی سلطنت ختم ہوئی ان کے لاکھوں آدمی موت کے گھاٹ اُتارے گئے انہی ہنگاموں میں توریت کی تختیاں ضائع ہوگئیں اور پھر توریت دنیا سے مٹ گئی۔

یہاں توریت کی تاریخ بیان کرنا مقصود نہیں لیکن یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ توریت لکھی ہوئی صورت میں ایک ہی جگہ ایک ہی وقت میں دے دی گئی۔ یہی کیفیت نزول انجیل کی بھی رہی جب حضرت عیسیٰؑ پر انجیل نازل فرمائی گئی تو انجیل کو جس شکل میں حضرت عیسیٰؑ پر نازل کیا گیا اس کی شکل قرآن مجید اور توریت دونوں سے مختلف تھی انجیل کے نزول کی صورت وہ نہیں تھی جو قرآن مجید کی یا توریت کی تھی بلکہ انجیل کی حیثیت قریب قریب وہ تھی جو مسلمانوں میں حدیث قدسی کو حاصل ہے۔ حدیث قدسی علم حدیث کی اصطلاح میں اس حدیث کو کہتے ہیں جو دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور اللہ تعالیٰ ہی کا براہِ راست کلام ہو اور حضورؐ کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہو لیکن حضورؐ نے اس کو اپنے الفاظ میں بیان فرمایا ہو تو وہ حدیث قدسی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا کلام اللہ تعالیٰ کے اپنے الفاظ میں ہو۔ تو وہ کلام پاک قرآن مجید ہے اور اگر حضور اکرمؐ نے اس پیغام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے الفاظ میں بیان فرمایا ہو تو وہ حدیث قدسی ہے۔

مثلاً ایک حدیث ہے جو آپ نے سنی ہو گی کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ''جب میرا بندہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف ایک گز آگے بڑھتا ہوں جب میرا بندہ ہلکے سے میری طرف آتا ہے تو میں لپک کر اس کی طرف بڑھتا ہوں جب میرا بندہ ہلکے سے میری طرف دوڑتا ہے تو میں تیز دوڑ کر اس کے پاس جاتا ہوں'' .... یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کی طرف سے ارشاد ہو رہا ہے لیکن یہ قرآن پاک نہیں ہے۔ اس لئے کہ قرآن پاک کے برعکس اس کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کردہ نہیں ہیں بلکہ حضور اکرم کے ہیں۔

انجیل کے نزول کی کیفیت تقریباً اس طرح کی تھی کہ اللہ رب العزت نے ایک پیغام حضرت عیسیٰؑ کے قلب مبارک پر نازل کیا اور انہوں نے اس کو اپنے الفاظ میں انسانوں تک پہنچا دیا لیکن اس کو لکھا نہیں نہ حضرت عیسیٰؑ نے کچھ تحریر کروایا نہ ان کے ماننے والوں نے ان کی زندگی میں ان کے پیغام کو لکھا بس زبانی ہی وہ پیغام چلتا اور پھیلتا رہا وہ پیغام کتنا بڑا تھا؟ کتنا مختصر تھا؟ اگر لکھتے تو ایک کتاب بنتی یا دو کتابیں بنتیں؟ کتنے صفحے بنتے؟ ان سب سوالات کا جواب ہمارے پاس نہیں ہے ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے انجیل کو قلم بند نہیں کرایا۔ اس کی روایت زبانی ہی چلتی رہی۔ لیکن بہر حال وہ کلام جتنا کچھ بھی تھا وہ ایک ہی وقت میں سارے کا سارا نازل ہو گیا۔

اس کے برعکس قرآن مجید کا سلسلہ اس سے بالکل مختلف انداز میں طویل عرصے تک جاری رہا قرآن مجید نجماً نجماً یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے کبھی ایک ایک لفظ، کبھی ایک ایک آیت، کبھی ایک ایک سورۃ کر کے تئیس سال کے طویل عرصے میں نازل ہوا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضور اکرمؐ پر نزول وحی کے کل واقعات یا تجربات (EXPERIENCES) چوبیس ہزار ہیں۔ یعنی حضور اکرمؐ پر چوبیس ہزار مرتبہ وحی نازل ہوئی گویا ہم کہہ سکتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چوبیس ہزار مرتبہ کر کے قرآن مجید کے مختلف حصے حضورؐ پر نازل ہوئے ۔بعض آیات ،بعض سورتیں اور بعض اجزا ایسے ہیں جو ایک سے زائد مرتبہ نازل ہوئے اس لئے کہ مصلحت اس بات کی متقاضی تھی کہ ان حصوں کو بار بار نازل کیا جائے مثال کے طور پر روایت میں آتا ہے کہ سورۃ فاتحہ کئی بار نازل ہوئی ایک مرتبہ سلسلہ وحی کے بالکل آغاز میں اس کا نزول ثابت ہوتا ہے پھر جب پانچ وقت کی نمازیں فرض ہوئیں تو یہ پھر نازل ہوئی بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں بھی ایک بار نازل کی گئی۔ خلاصہ یہ کہ بعض ایسی اہم سورتیں جو قرآن پاک میں بہت مہتم بالشان حیثیت رکھتی ہیں وہ ایک سے زائد مرتبہ بھی نازل کی گئی ہیں ۔ اس کے علاوہ بعض اوقات صرف ایک ہی لفظ نازل کیا گیا بعض اوقات پوری سورت نازل کی گئی اور ایسی بھی مثالیں ہیں کہ بڑی لمبی لمبی سورتیں جیسے سورۃ یوسف جو آدھے پارے سے زائد پر مشتمل ہے ساری کی ساری ایک ہی مرتبہ ایک ہی بار کر کے نازل ہوئی ۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا اور اس سوال کا جواب ہی وہ بنیادی و امتیازی وصف اور غیر معمولی حقیقت ہے جس نے قرآن پاک کو تمام دیگر آسمانی کتابوں کے مقابلے میں بڑی نمایاں حیثیت اور ممتاز خصوصیت عطا کی ہے۔اس سوال پر غور کیا جائے تو قرآن مجید کے نجماً نجماً (یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے)نازل کئے جانے کی متعدد حکمتیں واضح ہوتی ہیں ۔آئندہ چند صفحات میں ان حکمتوں میں سے چند کا تذکرہ مقصود ہے ۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جب اللہ رب العزت نے اپنی مشیت میں قرآن مجید کے نزول کا فیصلہ کیا تو اس کتاب کو اس نے کسی خلاء میں اتارنے کا فیصلہ نہیں کیا بلکہ یہ کتاب اللہ رب العزت نے ایک زندہ ماحول میں ،ایک زندہ معاشرے میں اور ایک ایسے وقت میں اتاری جب اللہ تعالیٰ کے رسول کی سربراہی میں دین کو قائم کرنے ،دین کی تبلیغ کرنے اور دین کو پھیلانے کی ایک بھرپور کوشش جاری ہونے والی تھی جیسا کہ ہر صاحب علم جانتا ہے ،اس کوشش کا مقصد انسانی زندگی کے کسی ایک پہلو کی اصلاح نہیں بلکہ زندگی کے سارے کے سارے پہلوؤں کی مکمل اصلاح تھا۔اس تحریک اور جدوجہد کا بنیادی ہدف یہ تھا کہ ایک طرف انسان کے عقائد کی اصلاح ہو دوسری طرف انسان کے جذبات اور احساسات کو مثبت جہتیں عطا ہوں جہاں انسان کی ذاتی اور شخصی زندگی کے طور طریقے بدلیں وہاں انسان معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں بھی صحت مندانہ تبدیلی آئے۔ ایک طرف تجارت و کاروبار کا انداز بدلے اور دوسری طرف اجتماعی حالات بھی بدلیں ۔جہاں معاشی حالات خیر کا رخ اختیار کریں وہاں سیاسی احوال کو بھی بہتری کے رخ پر ڈالا جائے ۔غرض یہ کہ زندگی کا ہر ہر پہلو اور انسان کی سرگرمیوں کا ہر ہر جزو نئے اقدار کے مطابق بدل جائے ۔

یہ تھا وہ عظیم الشان کام جس کے لئے قرآن پاک کا نزول شروع ہوا حضور اکرمؐ کی راہنمائی اور سرپرستی اور صحابہ کرامؓ کی مدد اور تعاون سے یہ تاریخ ساز اور جاں گسل جدوجہد تیئس سال سے زیادہ مدت تک جاری رہی اس پورے عرصہ میں جدوجہد کے جس مرحلہ پر جب اور جہاں جس راہنمائی کی ضرورت پیش آتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن پاک کی آیات نازل ہوجاتیں اور ضروری راہنمائی فراہم کردیتیں ،اور یوں دین کی نشرواشاعت کی تمام کوششیں، اقامت دین کی جدوجہد اور ایک مثالی اسلامی معاشرہ کی تشکیل اور نزول قرآن کا عمل یہ سب چیزیں نہ صرف بیکوقت جاری رہیں بلکہ ایک دوسرے کی ممد و معاون اور مکمل (بکسرالمیم) بھی رہیں ۔اس اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن پاک ایک انقلابی انداز کی وحی یعنی REVOLUTIONAR Y REVELATION ہے واضح رہے کہ یہاں انقلابی کا لفظ عام سیاسی مفہوم میں استعمال نہیں کیا جا رہا بلکہ یہاں انقلاب سے مراد ایک ایسی ہمہ گیر تبدیلیاں ہیں جو اس کتاب حکیم اور فرقان حمید کے نزول کے نتیجے میں پیدا ہوئی اس انقلاب یا کامل تبدیلی کے مختلف مراحل کا ارتقاء اور کتاب الہٰی کے نزول کے مختلف مدارج کی تکمیل کے دونوں عمل ایک ساتھ جاری رہے جونہی اس کتاب کے نزول کی تکمیل ہوئی ویسے ہی اس ہمہ گیر تبدیلی اور انقلاب کی بھی تکمیل ہوگئی ۔گویا یہ تبدیلی فرقان مجید کے ذریعہ وجود میں آئی یہ ایک مبنی بروحی تبدیلی REVELATION REVOLUTIONARY تھی ۔

یہی وجہ ہے کہ جس دن یہ آیت نازل ہوئی۔

’’آج کے دن ہم نے تمھارے لئے تمھارے دین کو مکمل کر دیا ،تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اسلام کو بطور ایک طرز زندگی تمھارے لئے پسند کر لیا‘‘

تو اس دن بلکہ اسی لمحہ صحابہ کرامؓ نے یہ سمجھ لیا کہ جو کام حضور اکرمؐ کرنا چاہتے تھے وہ سارے کا سارا کام مکمل ہو چکا ہے اور اب حضور اکرمؐ اس دنیا سے تشریف لے جانے والے ہیں ،خود حضورؐ نے صحابہ سے پوچھا کہ کیا میں نے امانت پہنچا دی ؟صحابہؓ نے بیک زبان گواہی دی کہ ہاں آپ نے امانت پہنچا دی (تکمیل نزول قرآن ،تکمیل انقلاب ،فراہمی امانت اور تکمیل دین سب)ایک ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچے ۔

ایسا اس لئے بھی ضروری تھا کہ قرآن پاک اللہ کی آخری کتاب ہے ۔اور ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے لئے ہے۔جب تک روئے زمین پر مسلمان اور قرآن کے نام لیوا موجود ہیں اس وقت تک اللہ رب العزت نے حضور کے ذریعہ خبر دے دی ہے کہ قیامت نہیں آئے گی اس لئے کہ جب تک ایک فرد بھی اللہ اللہ کہنے والا موجود ہے۔ اللہ کی حجت تمام ہوتی رہے گی ۔اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک اور امت مسلمہ کا وجود لازم و ملزوم ہے قرآن پاک کو مسلمانوں کی مذہبی اجتماعی اور ملّی زندگی سے اس طرح مربوط اور پیوستہ کر دیا گیا ہے کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا جب تک مسلم معاشرہ موجود ہے قرآن پاک بھی موجود ہے ۔اس کے الفاظ ومفاہیم ،اس کے کلمات وعبارات اور اس کی تعلیم ہر آنے والی نسل اپنی سے پہلی نسل سے حاصل کرتی رہے گی اور اس طرح یہ سلسلہ تا قیامت چلتا رہے گا ۔یہ چیز اس وقت تک ممکن ہوسکتی تھی کہ جب قرآن پاک کو نجماً نجماً یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا جائے اور اس کی بنیاد پر آہستہ آہستہ ایک پورا ثقافتی ماحول ،ایک پورا معاشرہ، ایک مکمل تخریب اور ایک پوری امت کی تشکیل ہوتی جائے تا کہ وہ امت اس قرآن پاک کی تعلیم کو لے کر چل سکے اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے کہ اب اسی امت کو آخر تک چلنا ہے ،اب کسی پیغمبر کو نہیں آنا بلکہ صرف امت ہی کو یہ پیغمبرانہ کام کرنا ہے لہذا جب تک امت قرآن سے تربیت یافتہ نہ ہو وہ اس کام کو لے کر آگے نہیں چل سکتی ۔

اس کے برعکس سابقہ مذاہب اور سابقہ آسمانی کتابوں کو شاید اس کی ضرورت پیش نہیں آئی ۔اس لئے کہ ہر نبی کے بعد ایک دوسرا نبی اس کی جگہ لینے کے لئے موجود تھا ،وہی انسان کی راہنمائی کا ذمہ دار اور ان کی قیادت کے لئے کافی تھا۔ نبی کے ہوتے ہوئے امت کو کار نبوت کے لئے تیار کرنا اور امت کو وحی الہیٰ کی تعلیم میں رچا بسا دینا اور افراد ملت کو وحی الہیٰ کے رنگ میں رنگ دینا ضروری نہیں تھا۔اس کے لیے کہ اس امت کا وہ کام نہیں تھا جو حضور ؐ ختمی مرتبت کی امت کے سپرد کیا جانا تھا مگر اب جبکہ نبوت ختم ہو چکی ہے تو جہاد بالقرآن کی یہ ذمہ داری حضور اکرم ؐ کی جانشین کی حیثیت سے ساری امت کو انجام دینی ہے اور یہ اس وقت ممکن ہے کہ جس طرح مستخلف (بکسر اللام) کا ن خلقه القرآن سے متصف تھا۔اس طرح مستخلف (بفتح اللام) بھی کان خلقه القرآن کی نعمت سے بہرہ یاب ہوں ،یعنی قرآن کا رنگ اس میں رچا بسا ہو اور سنت نبویؐ اس کے رگ وپے میں سرایت کیے ہوئے ہو۔امت کو قرآن پاک کے رنگ میں رنگنے کے لئے ضروری تھا کہ یہ رنگ تھوڑا تھوڑا کر کے چڑھایا جاتا کہ رنگ پختہ ہوتا چلا جائے۔

تیسری وجہ قرآن پاک کے آہستہ آہستہ نازل کیے جانے کی یہ ہے کہ کفار مکہ نے (جیسا کہ خود قرآن پاک میں بیان ہوا ہے)یہ اعتراض کیا تھا کہ:

’’لولا انزل علیه القرآن جملة واحدة‘‘

کہ اس قرآن کو ایک ہی بار کیوں نہ اتارا گیا اس کا جواب دیا کہ:

’’کذالك لنثبت به فوادك ورتلنه ترتیلا‘‘۔(الفرقان 32)

یعنی ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اس لئے اتارا ہے کہ ہم اس طرح آپ کے دل کو مضبوط کریں،تقویت دیں اور اس کی وجہ سے سکون و اطمینان بخشیں اور آپ کو پختگی حاصل ہو ،مذید برآں ہم اس کو آہستہ آہستہ تھوڑا تھوڑا کر کے لوگوں تک پہنچانا چاہتے ہیں ۔

اس آیت میں مذکورہ بالا اعتراض کے دو جواب دئے گئے ہیں اور ان دونوں جوابوں کے ذریعے دو اور حکمتیں اس بات کی بیان کی گئی ہیں کہ قرآن پاک کو آہستہ آہستہ کیوں نازل کیا گیا ۔اصل جواب سمجھنے سے پہلے ایک اور بات سمجھ لینی چاہئے اور وہ یہ ہے کہ قرآن پاک اپنی ترتیب ،نفس مضمون اور اسلوب بیان کے اعتبار سے ایک بڑی منفرد کتاب ہے اس مفہوم میں محض قانون یا آئین کی کتاب نہیں ہے جس طرح کہ قانون کی کتابیں وکیلوں کی لائبریریوں میں ہوتی ہیں ۔اگرچہ اس میں قانون کے بہت سے احکام دیے گئے ہیں اور دستوری اہمیت کے بہت سے اصول بھی بیان ہوئے ہیں لیکن قانونی احکام کے ساتھ ساتھ اس کتاب میں ان کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے ۔قرآن پاک محض معاشیات کی کتاب بھی نہیں ہے ۔اگرچہ اس میں معاشیات اور معاشی زندگی کے احکام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی ہیں اور انسانوں کی تجارتی سرگرمیوں اور اقتصادی بہتری کی ہدایات بھی ہیں ،لیکن اور بھی بہت کچھ ہے ۔اس طرح قرآن پاک محض فلسفہ کی کتاب بھی نہیں ہے ، گو اس میں فلسفیانہ نوعیت کی بہت سی ہدایات بھی ہیں ،لیکن اس میں فلسفے کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے ۔

قرآن پاک میں چونکہ انسانی زندگی کے ہر اس پہلو سے متعلق ہدایات موجود ہیں جہاں انسانی ، تجربہ اور مشاہدہ ناکام ہو جاتے ہوں یا جہاں ان کے ناکام ہونے کا قوی احتمال ہو اور جہاں انسان رہنمائی کی ضرورت محسوس کرتا ہو اس لئے زندگی کا کوئی اہم گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں انسان کو رہنمائی اور ہدایت کی ضرورت ہو اور قرآن پاک اس میں راہنمائی نہ دیتا ہو اس لئے جب بھی کوئی انسان چاہے وہ ایک فرد ہو یا پوری جماعت یا معاشرہ ہو جب دین کی نشر و اشاعت کیلئے اور اس کو قائم کرنے کے لئے جدوجہد کرے گا تو اس کو طرح طرح کے مدارج و مراحل سے واسطہ پڑے گا بعض اوقات مخالفین کی طرف سے اعتراضات کئے جائیں گے ۔بعض اوقات مشکلات اور آزمائشیں ہوں گی ۔بعض اوقات کامیابیاں ہوں گی ۔بعض اوقات ناکامیاں ہوں گی ۔کبھی قید و بند کا سامنا کرنا پڑے گا کبھی طرح طرح کی آزمائشیں آئیں گی ۔اب چونکہ ان سب مسائل کو ایک ایک کر کے آنا ہے اس لئے ان میں سے ہر چیز کے بارے میں راہنمائی اور ہدایت کا دستیاب ہونا بھی ضروری ہے ۔مثلاً یہ بات کہ اقامت دین کی کوشش میں قید و بند کا سامنا کرنا پڑے تو کیا کرنا چاہیے ۔قرآن مجید نے اس سوال کے جواب میں جہاں بہت سی ہدایات دی ہیں وہاں پوری سورۃ یوسف پیش کر دی کہ تمہیں اس طرح کرنا چاہیے اسی طرح آپ دیکھیں گے کہ قرآن پاک میں حضورؐ کی زندگی کے قریب قریب سارے اہم واقعات بیان کر دیئے گئے ہیں ۔غزوہ بدر کا بھی ذکر ملتا ہے اور غزوہ احد کا بھی ،غزوہ احزاب کا تذکرہ بھی ہے اور فتح مکہ کا بھی ۔تبوک کے طویل اور جاں گسل سفر پر تبصرہ بھی ہے اور ہوازن کے معرکہ پر بھی ۔اسی طرح کار نبوت اور کار دعوت کے آغاز کا بیان بھی ہے درمیانی مدارج کا بھی ذکر ہے اور انتہائی مدارج کا بھی ۔اس لئے مسلمانوں کی زندگیوں میں یہ ساری چیزیں ایک ایک کر کے پیش ہوتی رہیں گی ۔جو مسلمان حضورؐ کی پیروی میں جدوجہد کریں گے وہ ہجرت بھی کریں گے ،ان کو جہاد کرنے کی بھی نوبت آئے گی ،کبھی انہیں جہاد میں کامیابی ہوگی اور کبھی ناکامی بھی ہوگی کبھی بہت بڑی قوت کا سامنا کرنا پڑے گا تو کبھی چھوٹی قوت سے معرکہ آرائی ہوگی ،کبھی محاصرہ ہوگا ،کبھی کھیتیاں اجڑیں گی ۔غرض یہ کہ یہ سارے مراحل آئیں گے ان سارے مراحل میں یہ دیکھنا چاہیے کہ اہل ایمان کا رویہ کیا ہوتا ہے اب یہاں تثبیت فواد یعنی دل کو مضبوط کرنے سے یہ مراد ہے کہ تمہارے دل کو تسلی رہے کہ یہ مشکل وقت تو آنا ہی تھا ، پہلے سے معلوم تھا کہ فلاں فلاں مراحل آئیں گے ۔

اس بات کو ایک مثال کے ذریعے واضح کیا جا سکتا ہے ۔اگر ایک بار معالج اپنے کسی مریض کو دواؤں کے استعمال کی تفصیل بتا کر علاج کا تین مہینے کا کورس کرائے اور اس کو پہلے سے بتا دے کہ ان دواؤں کے استعمال سے ایک مہینے کے بعد پھنسیاں نکلیں گی پھر دانے نکلیں گے تو اس وقت یہ مرہم استعمال کرنا ہوگا ۔اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استعمال سے دانے ٹھیک ہو جائیں گے ۔دو مہینے کے بعد جب اس دوا کو لگاؤ گے تو آنکھوں میں سرخی آجائے گی اس موقع پر فلاں تدبیر اختیار کرنی پڑے گی تین مہینے کے بعد غنودگی کا غلبہ ہوگا تو فلاں دوا لینی پڑے گی ۔اب جس مریض کو پہلے سے اب سارے مدارج و مشکلات کا علم ہوگا اس کو ان بیماریوں کے آنے سے کوئی پریشانی نہیں ہوگی اسے پتہ ہوگا کہ یہ سارے مدارج ایک ایک کر کے آنے والے ہیں بلکہ جیسے جیسے یہ نئے نئے عوارض آتے جائیں گے ڈاکٹر پر اعتماد بڑھتا جائے گا اور اس کو یقین ہوتا جائے گا کہ ڈاکٹر نے جو کچھ بتایا تھا وہ بالکل ٹھیک بتایا تھا اور دوا کے اثرات بالکل ٹھیک اور حسب توقع ہو رہے ہیں ۔اس لئے کہ یہ سب وہی مرحلے آرہے ہیں اس کے برعکس اگر کسی مریض کو پیشگی ہی ان اس سب مدارج سے باخبر نہ کیا جائے تو وہ ان کے آنے سے گھبرا کر ہمت چھوڑ بیٹھے گا ۔وہ پہلے ہی مرحلے میں دانے نکلنے سے گھبرا جائے گا اور پریشان ہو کر علاج چھوڑ دے گا حکیم مطلق نے بالکل اس طرح جس طرح ایک حکیم ایک مریض کے لئے نسخہ لکھتا ہے کہ دیکھو یہ چیزیں پیش آئیں گی اور اس کا یہ یہ علاج ہوگا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن پاک میں وہ سارے مدارج پہلے ہی بتا دیئے ہیں تا کہ لیثبت بہ فوادک ،تمہارے دل کو تقویت ہو ۔اور تم مضبوطی کے ساتھ اس یقین سے اس پر قائم رہو کہ یہ سب کچھ تو آنا ہی ہے ۔یہ تو پہلے سے معلوم تھا آئے گا ۔

قرآن پاک میں ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ صحابہ کرامؓ کو جب طرح طرح کی آزمائشیں پیش آئیں تو مخالفین اور منافقین نے کہا ''ہم نہ کہتے تھے مت جاؤ ان کے ساتھ'' ۔مثلاً غزوہ احد میں بڑی آزمائش کا سامنا کرنا پڑا ۔اس غزوہ میں ستر صحابہؓ شہید ہو گئے ،حضرت حمزہؓ کی شہادت کا صدمہ خود حضور کو دیکھنا پڑا ۔لیکن صحابہ کرامؓ اس کیفیت میں مدینہ منورہ واپس آئے تو منافقین نے استہزا اور تمسخر سے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی بولے: ہم نہ کہتے تھے کہ جنگ نہیں ہونی چاہیے ،ورنہ یہ ہو جائے گا اور وہ ہو جائے گا ۔اس پر قرآن پاک کی شہادت ہے کہ صحابہ کرامؓ آزردہ خاطر ہونے کے بجائے مزید پختہ عزم ہو گئے اور ان کا ایمان مزید راسخ ہو گیا ۔اسی طرح جب غزوہ احزاب کے موقعہ پر منافقین نے مشکلات کا ذکر کر کے ہمت شکنی کرنی چاہی تو صحابہ کرامؓ کا جواب تھا کہ یہ تو ہمیں پہلے معلوم تھا ،اللہ اور رسول نے پہلے سے بتا رکھا تھا کہ ایسا ہوگا ،اور اللہ اور رسول کا وعدہ جھوٹا نہیں ہوا کرتا صحابہ کرامؓ کی تربیت ہی اس طرح کی ہو گئی تھی کہ جب بھی کوئی ایسی آزمائش سامنے آتی تھی تو بے اختیار کہہ اٹھتے تھے کہ یہ تو وہی بات ہے جو پہلے سے اللہ تعالیٰ نے بتا رکھی تھی اس طرح ہر آزمائش ان کے یقین و ایمان میں اضافہ اور قلب کی پختگی کا سبب بنتی تھی ۔تثبیت قلب یا دل کی مضبوطی کی خاطر حضورؐ کی زندگی کے مختلف مرحلوں کو قرآن پاک میں جا بجا بیان کر دیا گیا ۔اگر قرآن پاک ایک ہی وقت میں نازل ہو جاتا تو یہ بات ممکن نہیں تھی ۔ایسا نہ ہوتا تو مسلمانوں کو کیسے پتا چلتا کہ بدر اور بدر سے پہلے ملتے جلتے واقعات پر منطبق کریں ۔یہ تو اس وقت ممکن تھا کہ جب ان آیات کو بدر کے واقعات ہی کے سیاق و سباق میں اتارا جاتا ۔

پانچواں بڑا سبب قرآن پاک کو نجماً نجماً یعنی تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کا جو ان آیات میں بتایا گیا ہے وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ہے: ورتلناہ ترتیلا یعنی اور ہم نے آہستہ آہستہ اس کو تم پر تلاوت کیا ہے، ترتیل کے ساتھ تم تک پہنچایا ہے۔ ترتیل کہتے ہیں کسی گفتگو کو ٹھہر ٹھہر کے، آہستہ آہستہ، بار بار اس طرح کہنا کہ دوسرا آدمی اچھی طرح سمجھ لے اور اس کو یاد کر لے، اس عمل کو عربی میں ترتیل کہتے ہیں۔ قرآن پاک پڑھنے کے لیے خود قرآن مجید میں ترتیل کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس میں حکم یہ دینا مقصود ہے کہ اس کتاب کو بہت آہستہ آہستہ، غور و فکر کے ساتھ، ٹھہر ٹھہر کر دوسروں تک پہنچایا جائے اور خود بھی اس کا مطالعہ کیا جائے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت میں طے کر دیا ہے کہ اس کتاب کو ہمیں ہمیشہ کے لیے باقی رہنا ہے، اور جب تک مسلمان روئے زمین پر موجود ہیں یہ کتاب بھی باقی رہے گی تو اس کی بقاء اور تحفظ کے لیے وہ تمام تدبیریں اور جملہ طریقے اختیار کیے گئے ہیں جو کسی انسان کے حاشیہ خیال میں بھی نہ آ سکتے تھے۔ یہ بالکل منفرد اور انہونے طریقے تھے، ایسے طریقے نہ قرآن پاک سے پہلے کسی کتاب کی حفاظت کے لیے استعمال ہوئے اور نہ اس کے بعد کسی کتاب کے تحفظ کے لیے وہ طریقے استعمال ہوئے۔ انسانیت کی تاریخ میں آج تک کوئی کتاب اس طرح محفوظ نہیں کی گئی ہے کہ اس کو انسانوں کے دلوں میں، دماغوں میں اور روحوں میں اس طرح اتار دیا جائے کہ وہ ان سب کا حصہ بن جائے۔ دنیا کی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی، نہ کسی کتاب کی نہ کتابچہ کی اور نہ کسی رسالہ کی کہ اس کو کروڑوں انسانوں نے زبانی یاد کر کے محفوظ کر لیا ہو اور نسلوں کی نسلوں نے اسے اپنے سینوں اور دلوں میں اتار لیا ہو۔ پھر ہر نسل نے اگلی نسل کے کروڑوں آدمیوں تک پہنچا دیا ہو۔ یہ سارا عمل اسی وقت ممکن ہو سکتا تھا جب صحابہ کرام کو یہ قرآن تھوڑا تھوڑا پہنچایا جاتا اور تھوڑا تھوڑا یاد کرایا جاتا۔ آپ کسی کو قرآن پاک حفظ کرانا چاہیں تو اس کی شکل یہ نہیں ہوتی کہ پوری کتاب اٹھا کے دے دیں کہ اس کو جا کے یاد کر لے۔ اس طرح یکبارگی کوئی یاد نہیں کر سکتا۔ اس کی سب سے آسان اور عملی شکل یہی ہوتی ہے کہ پہلے ایک آیت یاد کراتے ہیں۔ پھر دوسری آیت، پھر تیسری آیت۔ ہوتے ہوتے چند سال کی مدت میں پورا قرآن پاک حفظ ہو جاتا ہے۔

لہذا قرآن پاک کو نجماً نجماً یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے تیئس سال کے عرصہ میں نازل کرنے کا ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ صحابہ کرام کو قرآن پاک کو یاد کرنے اور حفظ کر کے اس کو سینوں میں محفوظ کر لینے کا موقع مل جائے۔ چنانچہ صحابہ کرام آہستہ آہستہ اس کو یاد کرتے چلے گئے اور جونہی قرآن پاک کا نزول مکمل ہوا صحابہ کرام میں ہزاروں کی تعداد میں ایسے تھے جن کو پورا قرآن پاک زبانی یاد تھا، ان سے کہیں زیادہ تعداد میں وہ تھے جن کو قرآن پاک کے متفرق حصے زبانی یاد تھے۔ پھر صحابہ کرام کے حفظ کرنے کی وہ کیفیت نہیں تھی جو آج ہمارے کرنے کی ہے کہ محض الفاظ رٹ لیے گئے اور جب دہرانے کا موقع آیا تو بغیر سوچے سمجھے اور بغیر کسی اندرونی تاثر کے اسے دہرا دیا۔ صحابہ کرام کے ہاں کیفیت ہی اور تھی۔ حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں کہ مجھے صرف سورۃ بقرہ کا مطالعہ کرنے میں دس سال کا عرصہ لگا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ: "تعلمنا الایمان ثم تعلمن العلم" کہ پہلے ہم نے یہ سیکھا کہ ایمان کسے کہتے ہیں اس کے بعد ہم نے علم حاصل کیا۔ تو گویا پہلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علم کی بنیاد یعنی ایمان کو ہم نے پختگی کے ساتھ حاصل کر لیا اس کے بعد اس بنیاد کے اوپر ہم نے قرآن مجید کے علم کی عمارت استوار کی۔ گویا علم اور ایمان صحابہ کرام کے نزدیک ایک دوسرے کے لیے تکمیل کنندہ کا درجہ رکھتے تھے، اور یہ دونوں چیزیں صحابہ کرام کے ہاں ساتھ ساتھ چلتی تھیں۔ علم کے بغیر ایمان کی بنیاد کمزور رہتی ہے اور ایمان کے بغیر علم خطرناک ثابت ہوتا ہے۔

بہرحال تئیس سال کے طویل عرصے میں صحابہ کرام کی پوری نسل ایسی تیار ہوگئی جو قرآن کے الفاظ کی بھی حافظ اور محافظ تھی، اس کے معانی کی بھی نگہبان تھی، اور اس کے مفاہیم پر بھی عمل پیرا تھی، ان کے دلوں میں، ان کے سینوں میں، ان کے دماغوں میں اور ان کی روحوں میں قرآن پاک کا متن، اس کا پیغام، اور اس کی روح سب رچ بس چکے تھے۔ یہ سب تبھی ممکن تھا جب قرآن پاک نجماً نجماً یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا جائے۔ یہ قرآن پاک کے تھوڑا تھوڑا نازل کیے جانے کا پانچواں سبب ہے۔

چھٹا اہم سبب قرآن پاک تھوڑا تھوڑا نازل کیے جانے کا ایک اور بھی ہے، جس کا اشارہ خود قرآن پاک میں ملتا ہے اور کچھ احادیث اور روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ جب رسول اللہؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی (جس کی تفصیلات سے ہر پڑھا لکھا مسلمان کسی حد تک واقف ہے) تو یہ ایک نہایت غیر معمولی تجربہ تھا جس کے اثرات حضورؐ کے طبع مبارک پر بھی نمایاں طور پر محسوس ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ بہت ہی گھبراہٹ اور لرزہ کے عالم میں اپنے درِ اقدس تشریف لے گئے اور خاصی دیر آرام فرمانے کے بعد آپ کا جسم مبارک سے لرزہ ختم ہوا اور طبیعت بحال ہوئی۔ پہلی وحی کی ان تفصیلات سے کسی حد تک اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ تلقی وحی ایک نہایت غیر معمولی تجربہ ہوتا تھا جس کے واضح اثرات سرکار دو عالمؐ کے جسم مبارک پر بھی نمایاں طور پر محسوس ہوتے تھے۔ اس پہلے واقعہ کے کچھ روز بعد جو وحی حضورؐ پر ابتدائی دنوں میں ہی نازل ہوئی اس میں ایک آیت ہماری اس گفتگو کے سیاق وسباق میں بڑی اہم تھی: انا سنلقی علیك قولا ثقیلا۔ ہم تم پر ایک بہت بھاری کلام اتارنے والے ہیں۔ (المزمل:۵) یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بھاری کلام کا کیا مطلب ہے؟ اور قول ثقیل سے کیا مراد ہے؟ ایک مطلب بھاری کلام کا یہ ہوسکتا ہے کہ اپنے معانی اور مفاہیم کے اعتبار سے یہ ایک بہت بھرپور اور وزنی کلام ہے۔ یقیناً اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے اور اس مفہوم کے اعتبار سے قرآن مجید ہی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس کا تحمل کرنا، اس کی تلقی کرنا اور اس کی وصولیاں اتنا غیر معمولی تجربہ ہے کہ اس کو یکبارگی حاصل کر لینا کسی انسان کے لیے ممکن نہیں ہے، کوئی انسان چاہے وہ خود حضورؐ ہی ہوں یہ بشری استطاعت نہیں رکھتا کہ قرآن کی تلقی پورے کے پورے قرآن کی یکبارگی کر سکتا۔

قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ اگر ہم نے اس کلام کو کسی پہاڑ پر اتارا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ خوف اور خشیت الٰہی کی کیفیت میں ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ (الحشر:۲۱) ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ خیال آتا ہو کہ یہ ایک بات کہنے کا محض شاعرانہ انداز یا مبالغہ آمیز بیان ہے۔ نعوذ باللہ من ذلك۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں مبالغہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آمیز شاعرانہ انداز بیان نہیں ہوا کرتا۔ اللہ تعالیٰ کو شاعری کرنے کی کیا ضرورت پڑی ہے وہ شاعرانہ مبالغہ آرائی کا محتاج نہیں ہے، اس کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ غیر حقیقی انداز اختیار کرے، اس کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ عام کمزوروں اور محدود انسانوں کی سطح کی شاعری کی ضرورت محسوس کرے، یہ بالکل حقیقی اور واقعی طور پر اس نے فرمایا کہ اگر واقعی قرآن پاک کسی پہاڑ پر نازل کیا جاتا تو وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ حضرت موسیٰؑ کا واقعہ قرآن مجید میں ہمارے سامنے ہے کہ جب انہوں نے ایک مرتبہ براہ راست تجلی الٰہی کی التجا کی تو کیا منظر نامہ پیش آیا۔ اس وقت جو منظر ہوا اور جو کیفیت ہوئی وہ قرآن مجید پڑھنے والا ہر شخص جانتا ہے۔ اس لیے یہ بات بالکل قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ قرآن پاک کا بیک وقت نازل کیا جانا اتنا غیر معمولی تجربہ ہوتا اور اتنی عظیم الشان کیفیت ہوتی کہ اس کا تحمل کر لینا اور اس کی تلقی کر لینا شاید اس دنیا میں کسی انسان کے لیے ممکن نہیں تھا۔ اس لیے حضورؐ پر وحی کا نزول ایک طویل عرصہ تک جاری رہا، اور جیسا کہ عرض کیا گیا کہ چوبیس ہزار مرتبہ کر کے وحی الٰہی کی تکمیل آپ کی ذات گرامی پر ہوئی۔

حضورؐ پر جب وحی نازل ہوتی تو کیا کیفیت ہوتی تھی۔ اس کا اگر کچھ اندازہ ہو تو اس سے بھی اس سوال کا جواب کسی حد تک مل سکتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ نزول وحی کی اصل کیفیت اور اس تجربہ کی حقیقی نوعیت کا اندازہ کوئی شخص کر ہی نہیں سکتا۔ حضورؐ نے خود بھی اس کو بیان نہیں فرمایا اور وحی کوئی ایسی چیز ہے نہیں کہ اس کو انسانی الفاظ میں بیان کیا جا سکے، کیونکہ وہ تو ایک ایسا منفرد تجربہ ہے جو تمام انسانی تجربات سے بالکل ماوراء ہے، اتنا ماوراء کہ اس کے لیے انسانوں کی زبانوں میں الفاظ بھی نہیں ہیں۔ انسانی زبانوں میں کوئی ایسا اسلوب بیان بھی موجود نہیں ہے جس کو اختیار کر کے اس تجربہ کو بیان کیا جا سکے۔ لیکن صحابہ کرام میں سے کچھ حضرات کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ وہ باہر سے اس کی کیفیت کو دیکھیں جو نزول وحی کے وقت سرکار دو عالمؐ پر جسمانی طور پر وارد ہوتی تھی۔ جب حضورؐ پر وحی نازل ہوتی تھی تو جو قریبی صحابہ وہاں موجود ہوتے تھے اور اس منظر کا مشاہدہ کرتے تھے انہوں نے اپنے بعض مشاہدات بیان کیے ہیں جن کی نوعیت ظاہر ہے کہ حقیقی اور واقعی نہیں ہے۔ بلکہ ان خارجی مشاہدات کی حیثیت بڑی حد تک محض ظاہری، خارجی بلکہ لغوی معنوں میں خالص سطحی نوعیت کی ہے۔ جس طرح سطح سمندر کا مشاہدہ کرنے والا سمندر کی گہرائیوں میں موجود تلاطم خیز طوفانوں اور موجود دنیاؤں کی گہرائیوں اور گیرائیوں کا سرے سے کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا، اسی طرح نزول وحی کی کیفیت کو باہر سے دیکھنے والا سمجھ ہی نہیں سکتا کہ اس کے ابعاد کس قدر وسیع، عمیق اور ہمہ گیر ہیں۔ تاہم صحابہ کرام کے ان مشاہدات سے یہ اندازہ ضرور ہو جاتا ہے کہ نزول وحی کا تجربہ جسمانی مفہوم میں بھی کتنا مشکل، کتنا سخت اور کتنا غیر معمولی ہوتا تھا۔ ان واقعات سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر ایک آیت یا ایک ٹکڑے کے نزول میں یہ کیفیت ہوتی تھی تو اگر کہیں پورا قرآن مجید یا اس کا بیشتر حصہ یکبارگی نازل ہو جاتا تو کیا ہوتا، ظاہر ہے کہ ہمارا یہ اندازہ بھی بہت ہی نامکمل اور سطحی نوعیت کا ہے۔ اس طرح کا اندازہ بھی ہم صرف ایک حد تک ہی کر سکتے ہیں، ممکن ہے بلکہ یقینی ہے کہ ہمارا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ اندازہ بھی نامکمل ہی ہو۔

اس ضمن میں صرف دو واقعات کی طرف اشارہ کرنا کافی ہو گا۔ یہ واقعات جو مختلف صحابہ کرام نے بیان کیے ہیں ان میں نزول وحی کے تجربہ کا محض ظاہری اور جسمانی پہلو بیان کیا گیا ہے، اس لیے کہ وہی پہلو صحابہ کرام کے مشاہدہ اور تجربہ میں آ سکتا تھا۔ ان دونوں واقعات کو بیان کرنے سے قبل ذرا ام المومنین حضرت عائشہ کی اس مشہور روایت پر بھی نظر ڈال لینا مفید ہو گا جس سے امام بخاری نے اپنی کتاب کا گویا آغاز کیا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ صحیح بخاری قرآن مجید کے بعد مسلمانوں کے نزدیک سب سے مستند کتاب ہے۔ مسلمان اس کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ مانتے ہیں۔ اس کتاب کا پہلا باب ہی اس بحث سے شروع ہوتا ہے کہ جس کا عنوان ہے: باب کیف کان بدء الوحی علی رسول اللہ ، یعنی باب اس کے بیان میں کہ حضورؐ پر وحی کا آغاز کیسے ہوا، یہیں سے صحیح بخاری شروع ہوتی ہے۔ اس باب میں جو تفصیلی روایت ہے وہ حضرت عائشہ صدیقہ کی ہے۔ اس میں مشکل اور اتنا سخت ہوتا تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ حضورؐ پر کوئی بڑی ہی غیر معمولی کیفیت طاری ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا تھا کہ مدینہ منورہ کی سرد راتوں میں آپ پر وحی نازل ہوئی، اور سب جانتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی راتیں کافی سرد ہوتی ہیں اور اس زمانہ میں ہیٹنگ کا کوئی نظام مدینہ میں نہیں تھا، نہ وہاں گھریلو حمام عام تھے اور نہ کسی قسم کے ہیٹر وہاں ہوتے تھے بلکہ سرے سے مدینہ منورہ میں مکان گرم کر کے رکھنے کا رواج ہی نہیں تھا۔ ان سرد اور یخ راتوں کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے بارہا دیکھا کہ حضورؐ پر وحی نازل ہوئی اور پیشانی مبارک سے پسینہ ایسے بہنے لگا جیسے کوئی فصد کھول دی گئی ہو اور اس سے خون بہتا ہو، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جو تجربہ تھا وہ جسمانی طور پر بھی اتنا تھکا دینے والا اور اتنا غیر معمولی ہوتا تھا کہ باہر دیکھنے والوں تک کو اندازہ ہو جاتا تھا کہ کیا کیفیت گزر رہی ہے۔

جن دو واقعات کا یہاں تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے ان میں سے ایک تو اس دن کا واقعہ ہے جس دن مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ اس دن حضورؐ اپنی اونٹنی پر سوار (انجیل کی زبان میں) دس ہزار قدوسیوں کے جلو میں مکہ شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ حضورؐ کی وہ اونٹنی قصواء عرب میں بہت ہی طاقتور اونٹنی مانی جاتی تھی، جب بھی کوئی مقابلہ ہوتا تو وہ دوڑ میں سب سے آگے نکلتی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اسے خاص اہتمام کے ساتھ ہجرت کے سفر کے لیے خریدا تھا اور کئی مہینے میں اس کو خاص خوراک کھلا پلا کر تیار کیا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہؐ اپنے اس کو خاص خوراک کھلا پلا کر تیار کیا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہؐ اپنی اسی تاریخی اونٹنی قصواء پر سوار تھے، اور فاتحانہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے تھے۔ ایک اونٹ جتنا بوجھ اٹھا سکتا ہے اور جو اس کی قوت برداشت ہوتی ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں مکہ شہر بلند و بالا پہاڑوں میں گھرا ہوا تھا اور آج بھی گرا ہوا ہے۔ مکہ میں فوجوں کے داخلہ کے لیے حضورؐ نے صحابہ کرام کے چار پانچ دستے بنا دیئے تھے، اور ہر دستہ کو ہدایت تھی کہ مختلف راستوں سے شہر میں داخل ہو، ایک راستہ وہ تھا جس سے خود رسول اکرمؐ اور آپ کے دستہ یعنی قلب لشکر کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

داخل ہونا تھا۔ آپؐ کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی جو پیچھے پیچھے آ رہی تھی، حضورؐ آگے آگے اپنی اونٹنی پر سوار تشریف لے جا رہے تھے۔ اچانک لوگوں نے دیکھا کہ وہ اونٹنی رک گئی اور یک بیک کھڑی ہو گئی۔ پورا لشکر جو پیچھے آ رہا تھا وہ بھی رک گیا۔ لوگ خیر خبر معلوم کرنے کے لیے اتر کر آگے آئے تو دیکھا کہ اونٹنی کے پاؤں لرز رہے ہیں اور اس سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا۔ ادب سے اوپر نظریں اٹھا کر دیکھا تو آپؐ پر وہ کیفیت طاری تھی جو نزول وحی کے وقت ہوا کرتی تھی۔ پھر لوگوں نے دیکھا کہ اونٹنی کی ٹانگیں ایسی محسوس ہو رہی ہیں جیسے کسی کمزور سی چیز پر یک بیک بہت سارا بوجھ لاد دیا گیا ہو اور وہ ٹوٹنے لگے۔ ایسا لگا جیسے ابھی اونٹنی کی ٹانگیں چیخ جائیں گی۔ اس ساری کیفیت کو اونٹنی برداشت نہ کر سکی اور وہ بیٹھ گئی۔ لیکن بیٹھنے کے کوئی ایک آدھ ہی لمحہ بعد رسول اکرمؐ کی وہ کیفیت بھی ختم ہو گئی، اونٹنی بھی پہلے کی طرح کھڑی ہو گئی اور چلنے لگی۔ حضورؐ نے جو صحابہ کرام قریب تھے ان سے ارشاد فرمایا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے:

وقل جاء الحق وزهق الباطل، ان الباطل كان زهوقا۔

یہ اعلان کر دو کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل کو مٹنا ہی تھا۔ (الاسراء:۸۱)

کہنے کو یہ دو جملوں کی چھوٹی سی آیت ہے لیکن اس موقع پر جو کیفیت دیکھنے والوں نے دیکھی وہ بیان کی جا چکی۔ لیکن خود حضورؐ پر کیا گزری وہ ظاہر ہے کہ نہ آپؐ نے بیان فرمایا اور نہ اس کا کسی کو کوئی اندازہ ہو سکتا ہے۔

دوسرا واقعہ خود ایک صحابی کا ہے جن پر اتفاق سے خود گزری ہے اور انہوں نے اپنی گزری خود بیان کی ہے۔ ان کے بیان سے مزید اندازہ ہوتا ہے کہ نزول وحی کے وقت رسول اللہؐ پر کیا گزرتی ہو گی۔ یہ واقعہ حضرت زید بن ثابت کا ہے جو مشہور صحابی ہیں اور حضورؐ کے سیکرٹری رہے ہیں۔ حضورؐ کی بیشتر خط و کتابت حضرت زید بن ثابت ہی کیا کرتے تھے۔ کاتبان وحی میں بھی سب سے نمایاں درجہ انہی کا ہے۔ یہ واقعہ ہجرت کے دو ایک سال بعد کا ہے۔ ان دنوں رسول اللہؐ اپنا مشہور اور تاریخ ساز دستور میثاق مدینہ مرتب فرما رہے تھے۔ اس ضمن میں مختلف قبائل کے نمائندوں سے گفت و شنید کا سلسلہ جاری تھا۔ حضرت زید بن ثابت بطور سیکرٹری ہر اجتماع میں حاضر رہتے تھے۔ انہوں نے خود یہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ ہم ایسی ہی ایک مجلس میں جمع تھے جس میں سب لوگ چار زانو ہو کر قریب قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ غالباً جگہ کی تنگی کی وجہ سے رسول اللہؐ کے گھٹنے کا کنارا حضرت زید بن ثابت کے گھٹنے کے اوپر آیا ہوا تھا (عام طور پر فرش پر جب قریب قریب بیٹھتے ہیں تو ایسا ہو جاتا ہے) حضرت زید بن ثابت کہتے ہیں کہ یک بیک مجھے ایسا لگا کہ جیسے میرے گھٹنے پر کسی نے پہاڑ اٹھا کر رکھ دیا ہو۔ اس پر انہوں نے اچانک جو متوجہ ہو کر دیکھا تو رسول اللہؐ کی وہ کیفیت تھی جو وحی کے نزول کے وقت ہوا کرتی تھی۔ حضرت زید کہتے ہیں کہ ایک دم سے میرے گھٹنے پر اتنا بوجھ آ گیا کہ مجھے ایسا لگا کہ میرا گھٹنا چورا چورا ہو کر ہڈی ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔ میں نے اپنا گھٹنا حضورؐ کے گھٹنے کے نیچے سے نکالنا چاہا تو بوجھ کی وجہ سے نکال نہ سکا، مگر بس ایک ہی لمحہ میں یہ کیفیت ختم ہو گئی اور حضورؐ نے فرمایا کہ قرآن پاک میں سورہ نساء کی آیت ۹۵ یعنی لا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یستوی القاعدون من المومنین...... والمجاهدون فی سبیل الله باموالهم وانفسهم...... میں المومنین کے بعد غیر اولی الضرر کا اضافہ کر دو۔

ان دو مثالوں سے واضح طور پر یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ نزول قرآن پاک کا عمل ظاہری اعتبار سے بھی کتنا بھاری اور کتنا ثقیل ہوتا تھا۔ اس ثقل اور شدت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ قرآن پاک کو یکبارگی نازل کرنے کی بجائے نجماً نجماً یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا جائے۔

بعض حضرات نے اس باب میں تامل کیا ہے کہ تورات، انجیل اور دوسری آسمانی کتابیں یکبارگی نازل کی گئی تھیں۔ انہوں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ جس طرح قرآن مجید کی آیات تھوڑی تھوڑی کر کے ہی نازل کی گئیں۔ لیکن قرآن مجید کی متعلقہ آیات پر سرسری طور پر غور کرنے سے ہی اس رائے کی کمزوری ظاہر ہو جاتی ہے۔ سورۃ الاعراف آیت ۱۵۰۔۱۵۴ میں جہاں نزول تورات کا ذکر ہے وہاں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ تورات ایک دو نہیں بلکہ بہت سی تختیوں پر لکھی ہوئی حضرت موسیٰؑ کو عطا ہوئی تھی۔ ہدایت اور رحمت پر مبنی یہ نسخہ کیمیا ان تختیوں پر لکھا ہوا تھا جو حضرت موسیٰؑ طور سینا سے لے کر آئے تھے۔ بعض اہل علم نے اس امکان کا اظہار بھی کیا ہے کہ طور سینا پر حضرت موسیٰؑ کو پوری تورات کے بجائے صرف احکام عشرہ عطا فرمائے گئے تھے۔ اس ضمن میں یہ اہل علم موجودہ تورات کے رائج الوقت تراجم میں موجود اسلوب بیان سے استدلال کرتے ہیں۔ اگر یہ استدلال تھوڑی دیر کے لیے بھی تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ احکام عشرہ پر مبنی بہت سی الواح کی بجائے کوئی چھوٹی سی لوح ہی حضرت موسیٰؑ کو دی گئی ہو گی۔ اس لیے کہ احکام عشرہ چند سطروں سے زائد نہیں ہے اور ان کو لکھنے کے لیے ایک چھوٹی سی تختی ہی کافی ہے۔ قرآن پاک میں واضح طور پر نہ صرف الواح (بصیغہ جمع) کا ذکر ہے جس صاف ظاہر ہے کہ یہ تختیاں محض احکام عشرہ پر مبنی نہیں تھیں بلکہ ان میں وہ پوری ہدایت الٰہی اور رحمت خداوندی موجود تھی جو تورات کا طرہ امتیاز تھی۔ (وفی نسختها هدی ورحمة)

مزید براں یہود یثرب کے اشارہ پر کفار مکہ کا قرآن پاک کے یکبارگی نازل نہ کیے جانے پر اعتراض سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہودی وحی الٰہی کے نجماً نجماً نازل کیے جانے والے اسلوب سے مانوس نہ تھے۔ ان کے لیے مانوس اور مالوف اسلوب کتاب الٰہی کو یکبارگی نازل کیے جانے ہی کا تھا۔ ورنہ وہ یہ اعتراض کبھی نہ کرتے۔

خلاصہ کلام یہ کہ قرآن مجید دوسری آسمانی کتابوں کے برعکس تھوڑا تھوڑا نازل کرنے میں وہ حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ تھیں جن میں سے بعض کا اوپر تذکرہ کیا گیا۔

☆☆☆☆☆

© rasailojaraid.com